درس ۱۵

تواصی بالحق کا ذروۂ سنام جہاد و قتال فی سبیل اللہ

—(۱)—

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ :

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ ﴾

(الحجرات : ۱۵)

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○ ﴾

(التوبة : ۲۴)

الحمد للہ کہ ہم اس وقت مطالعۂ قرآنِ حکیم کے اس منتخب نصاب کے حصہ چہارم کا آغاز کر رہے ہیں۔ یہ حصہ ''سورۃ العصر'' میں وارد شدہ لوازمِ فوز و فلاح یا آسان الفاظ میں شرائطِ نجات میں سے تیسری شرط یعنی تواصی بالحق کی مزید تشریح اور تفصیل پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں ہمارے اس منتخب نصاب میں مختلف مواقع پر جو مباحث آ چکے ہیں' آگے بڑھنے سے قبل ان پر ذرا ایک نگاہِ بازگشت ڈال لینا مفید ہو گا۔ سب سے پہلے تو

"تَوَاصِیْ بِالْحَقِّ" کی اصطلاح ہی پر دوبارہ غور کر لیجئے۔ لفظ "تواصی" وصیت سے بنا ہے اور وصیت میں تاکید کا مفہوم بھی شامل ہے۔ کوئی بات ناصحانہ انداز میں' خیر خواہی کے جذبے کے تحت' انتہائی شدّ ومدّ کے ساتھ کہی جائے تو عربی زبان میں اسے وصیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ پھر جب یہ لفظ بابِ تفاعل سے آیا یعنی "تواصی" تو اس میں مبالغے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔ یعنی یہ عمل بڑے اہتمام اور پوری شِدّت و تاکید کے ساتھ مطلوب ہے۔ دوسری طرف مزید توجّہ دلا دی گئی کہ کسی بھی صحت مند اجتماعیت کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کے شرکاء ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو خیر و بھلائی کی بات کہتے رہیں۔ اسی طرح لفظ "حق" بھی بہت جامع ہے۔

جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جاچکا ہے کہ ہر وہ چیز جو عقلاً مسلّم ہو' اخلاقاً واجب ہو' بامقصد اور نتیجہ خیز ہو' جو صرف وہمی و خیالی نہ ہو بلکہ واقعی ہو "حق" ہے۔ اس اعتبار سے "تواصی بالحق" کا مفہوم انتہائی وسعت اختیار کر جاتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی حقیقتوں اور چھوٹے سے چھوٹے حقوق سے لے کر اس سلسلۂ کون و مکان کی عظیم ترین حقیقت یعنی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" ان سب کی تبلیغ' نشرواشاعت اور اعلان و اعتراف تواصی بالحق کے مفہوم میں شامل ہے۔

اس کے بعد ہمارے اس منتخب نصاب کے حصہ اوّل میں دوسرا جامع سبق آیۂ بِر پر مشتمل تھا۔ اس کے آخر میں واضح کر دیا گیا کہ یہ تواصی بالحق اس شان کے ساتھ مطلوب ہے کہ خواہ اس کے ضمن میں انسان کو فقر وفاقہ سے دوچار ہونا پڑے' خواہ جسمانی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں' خواہ اس کا تقاضا ہو کہ انسان نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں حاضر ہو جائے اور اپنی جان کا ہدیہ اس راہِ حق میں پیش کر دے' اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔ یہ انسان کے فی الواقع متقی' نیک اور صالح ہونے کیلئے ناگزیر ہے۔

تیسرے سبق میں تواصی بالحق کے ضمن میں ایک نئی اصطلاح "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" سامنے آئی تھی۔ وہاں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ معروف اور منکر کے الفاظ میں جس قدر وسعت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے گویا مفہوم یہ ہو گا کہ ہر خیر' ہر نیکی' ہر بھلائی' ہر حقیقت اور ہر صداقت کی تبلیغ و تلقین' دعوت و نصیحت' تشہیر و اشاعت اور اعلان و اعتراف حتیٰ کہ ترویج و تنفیذ ہو اور اس راہ کی ہر تکلیف کو صبر و

استقامت کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ اس لئے کہ وہاں فرمادیا گیا تھا :

﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ (لقمان : ۱۷)

اسی طرح ہر بدی اور برائی کی رد و قدح' تنقید و احتساب' انکار و ملامت' حتیٰ کہ انسداد و استیصال کی ہر ممکن سعی و کوشش لازم اور ضروری ہے۔

پھر چوتھے سبق میں "دعوت اِلی اللہ" کی اصطلاح وارد ہوئی اور اس طرح تواصی بالحق کی بلند ترین منزل کی نشاندہی کر دی گئی۔ اس لئے کہ بمفوائے الفاظِ قرآنی ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَقُّ ﴾ مجسّم اور کامل حق صرف ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور ؎

"وہی ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق"

کے مصداق اُسی کی اطاعت و عبادت کا التزام' اسی کی شہادت علیٰ رؤس الاشہاد اور اسی کی اساس پر انفرادی و اجتماعی زندگی کو استوار کرنے کی سعی و جہد تواصی بالحق کا ذروۂ سنام (Climax) یا نقطۂ عروج ہے۔

اور آخر میں سورۃ الحجرات زیر درس آئی' جس میں حد درجہ جامع آیت حقیقی ایمان کی تعریف کے ضمن میں وارد ہوئی :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

گویا ایمانِ حقیقی کے دو ارکان کا بیان اِس آیتِ مبارکہ میں ہو گیا ـــــ اولاً وہ ایمان جو ایک یقین کی صورت اختیار کر کے قلب میں جاگزیں ہو جائے اور ثانیاً اس کا وہ مظہر جو انسان کے عمل میں' اس کی عملی روش میں' اس کے رویئے میں نظر آنا چاہئے۔ اسے تعبیر کیا گیا جہاد فی سبیل اللہ کے عنوان سے۔

یہ "جہاد فی سبیل اللہ" ہمارے منتخب نصاب کے چوتھے حصے کے لئے اب ایک عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس اصطلاح نے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر دونوں کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ میں ہر مومن کے لئے ایک ترازو فراہم کر دی گئی ہے کہ وہ اسے اپنے باطن میں نصب کر کے اپنے آپ کو تولے' اپنے آپ

کو جانچے اور پرکھے کہ وہ ایمان کے اعتبار سے حقیقتاً کس مقام پر کھڑا ہے۔ فرمایا گیا :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۣاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا .... ﴾

"(اے نبی!) ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں' تمہارے کنبے اور رووہ مال جو تم نے جمع کیے ہیں اور وہ کاروبار (جو تم نے بڑی محنت سے جمائے ہیں اور) جن کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے' اور رووہ مکان (اور جائیدادیں جو بڑے اہتمام سے بنائی گئی ہیں اور جن کی تزئین و آرائش پر بہت کچھ صرف کیا گیا ہے) جنہیں تم بہت پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ' اس کے رسولؐ اور راس کی راہ میں جہاد سے تو جاؤ انتظار کرو...."

یعنی پانچ علائقِ دُنیوی اور تین مال و اسبابِ دُنیوی کی صورتیں اس ترازو کے ایک پلڑے میں ڈال دو اور دوسرے پلڑے میں ڈالو اللہ کی محبت' اس کے رسولؐ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت' اور پھر دیکھو کہ کہیں علائقِ دنیوی اور مال و اسبابِ دنیوی والا پلڑا جھک تو نہیں رہا۔ اگر ایسا ہے تو جاؤ انتظار کرو . . . بلکہ بامحاورہ ترجمے میں اس کا صحیح مفہوم اس طرح ادا ہو گا کہ "جاؤ دفع ہو جاؤ" ﴿ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ "یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ سنا دے"۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ "اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

"جہاد فی سبیل اللہ" کی اصل حقیقت

قرآنی آیات کے حوالے سے آج ہم اس بات پر غور کریں گے کہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کیا؟ اس لفظ کے لغوی معنی کیا ہیں' اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے' ہمارے دین میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے' اس جہاد کی کیا کیا شکلیں ہیں' اس کے مقاصد کیا ہیں' اس کا نقطۂ آغاز کیا ہے' اس کی پہلی منزل کیا ہے اور راس کی آخری منزلِ مقصود کونسی ہے!! یہ بنیادی باتیں حقیقتِ جہاد کے بارے میں آج کی گفتگو کا موضوع ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات عرض کر دینا شاید نامناسب نہ ہو کہ جس طرح ہمارے تمام دینی تصورات ایک طویل انحطاط کی بدولت نہ صرف یہ کہ محدود (limited) بلکہ مسخ (perverted) ہو چکے ہیں' اسی طرح واقعہ یہ ہے کہ جہاد کا لفظ بھی ہمارے ہاں بہت ہی محدود معنی میں استعمال ہو رہا ہے' بلکہ اکثر و بیشتر بہت غلط معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں ایک مغالطہ تو یہ ہوا کہ جہاد کو جنگ کے ہم معنی بنا دیا گیا' حالانکہ جہاد کے معنی ہرگز جنگ کے نہیں ہیں۔ جنگ کے لئے قرآن مجید کی اپنی اصطلاح "قتال" ہے جو قرآن میں بکثرت استعمال ہوئی ہے۔ یہ اصل میں جہاد کی ایک آخری صورت اور آخری منزل ہے' لیکن جہاد اور قتال کو بالکل مترادف بنا دینے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب جہاد کی وسعت اور ہمہ گیری پیش نظر نہیں رہی۔ اس ایک مغالطے کے بعد ستم بالائے ستم اور ظلم بالائے ظلم یہ ہوا ہے کہ مسلمان کی ہر جنگ کو جہاد قرار دے دیا گیا' خواہ وہ خیر کے لئے ہو یا شر کے لئے۔ کوئی ظالم و جابر مسلم حکمران اپنی نفسیانیت کے لئے' اپنی ہوس ملک گیری کے لئے کہیں خونریزی کر رہا ہو تو اس کا یہ عمل بھی جہاد قرار پایا اور اس طرح اس مقدس اصطلاح کی حرمت کو بٹہ لگایا گیا ہے۔ ذرا تفصیل کے ساتھ اور بنظر غائر یہ جائزہ لینا ہو گا کہ قرآن مجید کے نزدیک جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے!!

اس منتخب نصاب کے دروس کے دوران اس سے پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان بڑی سائنٹیفک زبان ہے۔ اس کے ننانوے فیصد سے زیادہ الفاظ وہ ہیں جن کا ایک سہ حرفی مادہ (Root) ہوتا ہے اور اس کے تمام مشتقات کا دارومدار اسی مادے یا "جڑ" پر ہوتا ہے اور اس کا مفہوم اس سے نکلنے والے تمام الفاظ میں موجود رہتا ہے۔ گویا یہ "جڑ" تو ﴿ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴾ کے انداز میں اپنی جگہ مضبوطی کے ساتھ قائم رہتی ہے' لیکن مختلف سانچوں میں ڈھل کر وہ مادہ کچھ اضافی مفہوم اپنے اندر جمع کرتا چلا جاتا ہے۔

لفظ جہاد کا سہ حرفی مادہ "ج۔ ھ۔ د" ہے اور یہ لفظ اردو بولنے اور اردو لکھنے والوں کے لئے کسی درجہ میں بھی نامانوس نہیں ہے۔ جُہدِ مسلسل' جدّوجُہد' یہ الفاظ اردو زبان میں مستعمل ہیں۔ جُہد کے معنی ہیں کوشش کرنا ـــــ انگریزی میں اس کا مفہوم ان الفاظ میں ادا ہو گا: "to exert one's utmost"۔ کسی بھی مقصد کے

لئے‘ کسی بھی معین ہدف کے لئے محنت کرنا‘ کوشش کرنا‘ مشقت کرنا‘ جدّوجُہد کرنا اصلاً "جُہد" ہے۔ لیکن عربی زبان میں یہی مادہ جب مختلف سانچوں میں ڈھلے گا‘ مختلف ابواب سے اس کے مصادر بنیں گے تو ان میں اضافی مفہوم شامل ہو جائے گا۔ "مفاعلہ" ثلاثی مزید فیہ کا ایک باب ہے۔ اس باب میں جو الفاظ آتے ہیں اور جو مصدر اس وزن پر ڈھلتے ہیں ان میں دو مفہوم اضافی طور پر شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس باب میں دو فریقوں یا ایک سے زائد فریقوں کی شرکت و مشارکت کا مفہوم شامل ہو جاتا ہے۔ (اب یہ "مشارکت" خود بھی "مفاعلہ" کے وزن پر ہے) اور دوسرے یہ کہ ہر ایک فریق کا دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش اور بازی لے جانے کی سعی کا مفہوم بھی اس میں خود شامل ہو جائے گا۔ جیسے "مباحثہ" دو افراد یا دو فریقوں یا دو گروہوں کے مابین بحث کا نام ہے‘ جن میں سے ہر فریق کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کی حقانیت کو دلائل دے کر ثابت کرے اور فریق مخالف کے نقطۂ نظر کا ابطال کرے اور اس کی غلطی کو ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ "مناظرہ" اسی سے بنا ہے۔ اسی طرح دو فریق آمنے سامنے آئیں اور ان میں سے ہر فریق کی کوشش یہ ہو کہ دوسرے کو زیر کرے اور خود بالادستی حاصل کرے تو یہ "مقابلہ" ہے۔ اسی طرح بے شمار الفاظ بنتے چلے جائیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ "مشاعرہ" میں بہت سے شعراء کسی ایک دیئے ہوئے مصرعے پر طبع آزمائی کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مشاعرہ لوٹ لے جائے۔ تو اس وزن پر آنے والے ان تمام الفاظ میں یہ دو مفہوم لازماً پیدا ہو جائیں گے کہ کسی عمل میں مشارکت اور اس مشارکت میں اس بات کی کوشش کہ ہر فریق دوسرے فریق کو زیر کرنے اور نیچا دکھانے کی کوشش کرے۔

اب اسی وزن پر لفظ "مجاہدہ" بنا ہے اور اسی طرح سے "مقاتلہ" بنا ہے۔ "قتل" اور "مقاتلہ" میں فرق یہ ہو گا کہ قتل ایک یک طرفہ فعل ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ جبکہ مقاتلہ یہ ہے کہ دو افراد ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے آمنے سامنے آکھڑے ہوں‘ وہ اسے قتل کرنے کے درپے ہو اور یہ اُسے قتل کرنے کے درپے ہو۔ اسی طرح لفظ "جہد" میں یکطرفہ کوشش کا تصور سامنے آتا ہے‘ یعنی کسی ہدف اور مقصد کے لئے محنت کی جا رہی ہے‘ مشقت ہو رہی ہے‘ جبکہ مجاہدہ میں ایک اضافی تصور

سامنے آئے گا کہ کوشش میں مختلف فریق شریک ہیں۔ ہر ایک کا اپنا کوئی مقصد اور اپنا کوئی نقطۂ نظر ہے اور ہر ایک اس کوشش میں ہے کہ اپنے مقصد کو حاصل کرے اور اپنے خیال یا اپنے نظریئے کو دنیا میں سربلند کرنے کی کوشش کرے۔ "جہاد فی سبیل اللہ" درحقیقت قرآن مجید کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ جہاد اور مجاہدہ دونوں باب مفاعلہ سے مصدر ہیں۔ انگریزی میں اب اس کو یوں ادا کیا جائے گا : to struggle hard اس لئے کہ struggle میں کشمکش اور کشاکش کا مفہوم شامل ہے۔ جُہد صرف کوشش ہے جبکہ جہاد یا مجاہدہ کشمکش اور کشاکش ہے اور انگریزی کے اس لفظ struggle میں بھی وہ تصور موجود ہے کہ مخالفتوں اور موانع کے علی الرغم اپنے مقصد معین کی طرف پیش قدمی کرتے چلے جانا۔

اب ظاہر بات ہے کہ مجاہدہ خواہ کسی مقصد کے لئے ہو اس میں انسان کی صلاحیتیں، قوتیں اور توانائیاں بھی صرف ہوں گی اور مالی وسائل و ذرائع بھی صرف ہوں گے۔ ان دو کے بغیر دنیا میں ممکن کوئی کوشش ممکن نہیں ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ ابتدائی سطح پر کسی بھی مقصد کے لئے، کسی بھی نصب العین کے لئے، کسی بھی خیال کی ترویج و اشاعت کے لئے انسان کو کچھ مالی وسائل و ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے، جن سے وہ اپنے نصب العین اور آئیڈیا کو project کر سکے، اس کی تشہیر و اشاعت ہو اور اسے وسیع حلقے میں پھیلایا جائے۔ لہٰذا قرآن مجید میں بھی آپ دیکھیں گے کہ اس مجاہدے کے ساتھ دو الفاظ آپ کو ہر جگہ ملیں گے۔ ﴿ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ یعنی اس مجاہدے، اس جدّوجُہد اور اس کی کوشش میں اپنے مال بھی کھپاؤ اور اپنی جانیں بھی کھپاؤ جیسے کہ سورۃ الحجرات کی آیت میں ارشاد ہوا ﴿ وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ "اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔"

اس جہاد کے لئے ایک تیسری چیز جو ضروری ہے وہ کسی ہدف کا معین ہونا ہے۔ کوئی مقصود معین ہو، کوئی نصب العین ہو، کوئی آدرش ہو، جس کے لئے وہ محنت اور مشقت کی جائے۔ اسی کی نظریاتی سطح پر نشر و اشاعت ہوگی، اسی کے لئے پھر محنتیں ہوں گی، اسی کی سربلندی کے لئے کوششیں ہوں گی۔ تو گویا کہ اس جہاد کے لئے اس ہدف کا تعین ضروری ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ایک شخص اپنی برتری کے لئے، اپنی بالادستی کے لئے، اپنے اقتدار

کے لئے اور اپنے مفادات کے لئے محنتیں کر رہا ہے' اس کا یہ ہدف معین ہے' تو یہ بھی مجاہدہ ہے۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے کہ یہاں مختلف مقابل قوتیں موجود ہیں' ہر شے کے لئے مسابقت (competition) ہے' لہٰذا اس کے لئے اسے struggle کرنا ہو گی' محنت کرنا ہو گی' اسے دوسروں سے آگے بڑھنا ہو گا' اسے محنت و مشقت میں اپنے حریف یا مخالف سے بازی لے جانا ہو گی۔ اس کے بغیر اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے' اپنی ذاتی سربلندی کے لئے یا اپنی ذات کے لئے دنیوی آسائشوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کر لینے کے مقصد میں بھی کامیابی حاصل کر سکے۔ اس کو آپ یوں کہیں کہ یہ "مجاہدہ فی سبیل النفس" ہے۔ اپنی ذات کے لئے' اپنے نفس کے تقاضوں کے لئے مجاہدہ ہو رہا ہے۔ اور یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ یہ مجاہدہ ہر آن ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ Struggle for Existance ہے۔ ہر ایک بھاگ دوڑ اور محنت و مشقت کر رہا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ وہ دوسرے سے آگے نکل جائے۔ ﴿ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ﴾ ہر ایک نے اپنا ایک ہدف معین کیا ہوا ہے اور ایک دوڑ لگی ہوئی ہے' ایک مسابقت جاری ہے۔

اسی طرح فرض کیجئے کہ کوئی شخص اپنا ہدف معین کرتا ہے اپنی قوم کی سربلندی' اپنے وطن کی عزت' اس کا وقار' دنیا میں اس کا نام روشن کرنا۔ اس قوم پرستانہ اور وطن پرستانہ جدّوجُہد اور محنت و کوشش کا بھی قوموں اور ملکوں کے مابین مقابلہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں جو شخص بھی اپنی قوتوں' توانائیوں اور اپنی صلاحیتوں کو صرف کرتا ہے وہ مجاہد ہے فی سبیل القوم' یا مجاہد ہے فی سبیل الوطن۔ اسی طرح کوئی شخص کسی نظریئے (Ideology) کو اختیار کرتا ہے وہ کسی نظریۂ حیات' کسی نظامِ زندگی کا قائل ہو گیا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسان کے لئے وہ ایک بہتر طرزِ زندگی ہے' اس میں انسانی مسائل کا ایک بہتر' متوازن' زیادہ معتدل اور زیادہ منصفانہ حل ہے۔ اگر کسی طرح بھی اسے اس بات کا یقین حاصل ہو گیا ہے اور اب وہ اپنی قوتیں صرف کر رہا ہے' محنتیں کھپا رہا ہے' اوقات لگا رہا ہے' جسم و جان کی توانائیاں اس میں صرف کر رہا ہے کہ وہ نظریہ دنیا میں پھیلے' اس نظریئے کو بالادستی حاصل ہو' اسی کا نظام دنیا میں عملاً قائم ہو تو اس کے لئے جو محنت ہو رہی ہے یہ اس نظریئے کے لئے جہاد اور مجاہدہ ہے۔ اس لئے کہ اس سطح پر بھی

کوئی خلا موجود نہیں ہے۔ مختلف نظریات ہیں جو باہم متصادم ہیں۔ ہر ایک اپنی بالادستی اور supremacy کے لئے کوشاں ہے اور ان کے ماننے والے اس کے لئے تن من دھن لگا رہے ہیں۔ اب جو شخص کسی نظریئے کو اختیار کر کے اس کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے وہ اس نظریئے کا مجاہد ہے۔ گویا اس اعتبار سے ہم اس جدوجہد کو مجاہدہ فی سبیل الاشتراکیہ' مجاہدہ فی سبیل الوطن یا مجاہدہ فی سبیل الدیموکراتیہ کہہ سکتے ہیں۔ تو یہ "فی سبیل . . ." جو ہے جس کو انگریزی میں آپ "in the cause of" سے تعبیر کریں گے' اس کا تعین بھی اس مجاہدے کے لئے لازم ہے۔

اب آپ دیکھئے کہ متذکرہ بالا دونوں آیات میں "مجاہدہ فی سبیل اللہ" کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا ﴿ وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ "اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور کھپائی اس میں اپنی جان بھی اور اپنے اموال بھی"۔ اسی طرح سورۃ البراءۃ میں فرمایا گیا : وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ "اور اللہ کی راہ میں جہاد"۔ اس سے پہلے بھی ہمارے اس منتخب نصاب میں یہی لفظ "جہاد" استعمال ہو چکا ہے۔ تیسرے سبق میں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں بیان ہوا کہ مشرک والدین اپنی اولاد کو اگر شرک پر مجبور کریں تو یہ ان کا مجاہدہ ہے۔ ایک مؤمن مجاہد فی سبیل التوحید ہے' مجاہد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے مشرک والدین بھی مجاہدہ کر رہے ہیں' وہ بھی کوشش کر رہے ہیں' وہ اپنی اولاد پر دباؤ ڈال رہے ہیں بالفاظِ قرآنی : ﴿ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ یعنی اگر وہ دونوں تجھ سے جہاد کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علمی دلیل نہیں' نہ عقل میں اس کے لئے کوئی بنیاد ہے' نہ انسان کی فطرت اس کی تائید کرتی ہے' نہ کوئی اور علمی استدلال اس کے حق میں موجود ہے' نہ خدا کی اتاری ہوئی کسی کتاب میں اس کے لئے کوئی سند پائی جاتی ہے' تو اگر وہ تم سے مجاہدہ کریں تو تم ان کا کہنا نہ مانو!

معلوم ہوا کہ یوں نہیں سمجھنا چاہئے کہ جہاد صرف ایک بندۂ مؤمن ہی کرتا ہے' بلکہ جہاد تو اس دنیا کا اصول ہے۔ یہ دنیا قائم ہی جہاد پر ہے۔ وہ لوگ جو مردہ ہوں' جن میں سیرت و کردار نام کی کوئی شے موجود نہ ہو' جن میں درحقیقت کوئی خیال یا نظریئے کی بلندی اور پختگی پیدا ہی نہ ہوئی ہو' جو حیوانی سطح پر صرف حیوانی جبلتوں کے تحت زندگی بسر

کر رہے ہوں' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ زندگی بسر نہ کر رہے ہوں بلکہ زندگی انہیں بسر کر رہی ہو' ان کا معاملہ مختلف ہے۔

لیکن اگر فی الواقع کسی شخص کا اپنا کوئی خیال اور نظریہ ہے' کسی بات کی حقانیت تک اسے رسائی حاصل ہوتی ہے' کسی چیز کی صحت پر اس کے دل نے (صحیح یا غلط) گواہی دی ہے' اس کی عقل نے اسے قبول کیا ہے' اس شخص میں اگر سیرت و کردار نام کی کوئی شے ہے' character کی کوئی قوت ہے' اگر وہ بامروت انسان ہے تو اس کے لئے لازم ہو گا کہ وہ اپنے اس نظریئے اور خیال کے لئے' جس کی حقانیت پر اس کے دل نے گواہی دی ہے اور جس کی صداقت کو اس کے ذہن اور دماغ نے قبول کیا ہے' اس میں مجاہدے کی کیفیت پیدا ہو' وہ اس کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی امکانی سعی بروئے کار لائے' اس کے اعلان و اعتراف میں کسی بھی چیز سے خائف نہ ہو' یہاں تک کہ اگر جان دینے کا مرحلہ آئے تو اس کی خاطر جان قربان کر دے۔ یہ درحقیقت کسی بھی انسان کے صاحب کردار ہونے کے لئے شرطِ لازم ہے۔

اس سے پہلے یہ بات عرض کی گئی تھی کہ سورۃ العصر میں جو چار چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ منطقی اعتبار سے انتہائی مربوط ہیں۔ عقل و منطق کے اعتبار سے ہر انسان کا طرزِ عمل کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی لازماً یہ ہونا چاہئے کہ پہلے وہ یہ دیکھے کہ حق کیا ہے' صحیح بات کیا ہے' انصاف کا نقطۂ نظر کونسا ہے! یہ تلاش اور تحقیق و تفتیش اس کے لئے لازم ہے۔ اور جب اسے حق و صداقت معلوم ہو جائے تو اب اگر وہ صاحب کردار انسان ہے تو اسے قبول کرنا اس کے لئے لازم ہے۔ پھر اس حق اور صداقت کی تعلیم و تبلیغ' اس کا اعلان اور اس کے لئے اگر کوئی تکلیف اور مصیبت آتی ہے تو اسے برداشت کرنا' لوگوں کی ناراضگی مول لینی پڑے تو اس کے لئے آمادہ رہنا' یہاں تک کہ اگر جان پر کھیل جانا پڑے تو اس سے گریز نہ کرنا اس کے صاحب کردار ہونے کا تقاضا ہے۔ آخر سقراط نے زہر کا پیالہ کیوں پی لیا تھا؟ اس لئے کہ اس پر کچھ حقیقتیں اور صداقتیں منکشف ہوئی تھیں ـــــ اور جب اس کے سامنے دو متبادل (alternatives) آئے کہ یا تو ان صداقتوں سے اعلانِ براءت کر دو یا یہ زہر کا پیالہ پی جاؤ تو اس نے زہر کا پیالہ پی جانے کو ترجیح دی اور حقائق سے منہ موڑ لینے کو گوارا نہ کیا۔ یہ بالکل دو اور دو چار کی طرح کی

بات ہے کہ جس شے کی حقانیت پر انسان کے دل و دماغ نے گواہی دے دی اور جس صداقت پر اسے یقین ہو گیا' اب اس کی غیرت و حمیت اور شرافت کا تقاضا ہے کہ وہ اس کی نشر و اشاعت' اس کے اعلان و اعتراف اور اس کو دنیا میں غالب اور بالفعل رائج اور نافذ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے اور اس کے لئے جو کچھ اس کے بس میں ہو کر گزرے۔ اگر وہ یہ کرتا ہے تو وہ واقعتاً ایک صاحب کردار انسان ہے۔

دین کے اعتبار سے یہ تمام کیفیات جمع کر لی جائیں تو ان کے لئے جامع عنوان ہو گا "جہاد فی سبیل اللہ" یا "مجاہدہ فی سبیل اللہ"۔ جس نے اس کائنات کی اصل حقیقت کو پہچان لیا' اللہ کو جان لیا' اس کو مان لیا' اب اللہ کے لئے اپنی جان اور مال کا کھپانا اس پر لازم ہے۔ ایک انسان اگر کسی چھوٹی سی حقیقت کا سراغ لگانے کے بعد اس حقیقت کے بیان میں اور اس کے اعلان و اعتراف میں اپنی جان دینا گوارا کر سکتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک بندۂ مومن اللہ کو ماننے کے بعد اپنے گھر میں پاؤں پھیلا کر سوتا رہے اور اسے اس بات کی فکر نہ ہو کہ اللہ کا دین غالب ہے یا مغلوب؟ (جاری ہے)

بقیہ : استقبالِ رمضان

وفی روایۃ ابن ماجہ :

((رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلاَّ الْجُوْعُ ' وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ اِلاَّ السَّهَرُ))

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے روزے سے انہیں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی (راتوں کو) قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کے قیام سے انہیں سوائے جاگنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔ (اعاذنا اللہ من ذٰلک)

اطلاع برائے قارئین : رمضان المبارک کے دوران دفتری اوقات کار میں کمی اور عید الفطر کی تعطیلات کے باعث جنوری 2000ء کا شمارہ بروقت شائع نہیں ہو سکے گا' بلکہ عید الفطر کے بعد جنوری' فروری کا مشترکہ شمارہ شائع ہو گا۔ (ادارہ)